گلنار

سید عبد الحمید عدمؒ

PdfBy,MiskenMazharAliKhan

Cell No, 00966590510687

گلنار

عدم

ناشران

پگڈنڈی امرتسر

بار اوّل

تعداد ۵۰۰

قیمت دو روپے چار آنے

پبلشر اے۔ ایس آنند نے راما آرٹ پریس، امرتسر میں باہتمام لالہ پرم نند پرنٹر کے چھپوا کر دفتر رسالہ یگانہ گنڈی ہال بازار امرتسر سے شائع کیا۔

اِس طرح جل رہا ہے دِل جیسے
پھُول کی پنکھڑی کو آگ لگے

عدمؔ

○

حیرتِ عشق کو الزام دیا جا سکتا!
کاش اس شئے کو کوئی نام دیا جا سکتا

عقلِ بیمار کو میخانے میں لے ہی آتے
تاکہ بدبخت کو اِک جام دیا جا سکتا

جانے والوں کو کسی ڈھنگ سے رخصت کرتے
آنے والوں کو کچھ آرام دیا جا سکتا

دلِ طرحداروں کو دینے میں تردّد کیا تھا
مانگتے تو سحر و شام دیا جا سکتا

کاش اُس شاہدِ رعنا کو کسی شب جبراً
ساغرِ بادۂ گلفام دیا جا سکتا

جام ہوتا تو اسی گردشِ دوراں کا جواب
صورتِ گردشِ ایّام دیا جا سکتا

عقل اگر عظمتِ کردار کی قائل ہوتی
عشق کو رتبۂ الہام دیا جا سکتا

نکہتِ مست اگر ہوش میں رہتی تو عدمؔ
گیسوئے یار کو پیغام دیا جا سکتا

○

○

وسوسہ تھا کسی صورت میں نمایاں ہوتا
جام اگر جام نہ ہوتا تو گلستاں ہوتا

کوئی یزداں ہے یہاں کوئی فرشتہ ہے یہاں
کیا برائی تھی اگر آدمی انساں ہوتا

آپ نے ذرّے کو عزّت ہی نہ بخشی ورنہ
ذرّہ خورشید کے سینے پہ خراماں ہوتا

کفر اگر بخش دیا جائے تو حسرت یہ بھی
اہلِ دل کے لیئے اک اور بھی یزداں ہوتا

شیخ نے حکمتِ اسلام کو سمجھا ہی نہیں
شیخ اگر شیخ نہ ہوتا تو مسلماں ہوتا

وعدۂ حشر پہ ہی بھول گئے ہم ورنہ
اُس سے آگے بھی کوئی سلسلہ جنباں ہوتا

پھول اور کانٹے میں کچھ فرق اگر ہے تو یہی
خار اگر خار نہ ہوتا تو گلستاں ہوتا

شکر کر اے مرے وجدان کہ مسجودِ نظر
میں نہ ہوتا تو کوئی زاہدِ ناداں ہوتا

آپ سرکار نہیں آئے تو کیا فرق پڑا
آپ آجاتے تو ماحول درخشاں ہوتا

شکر کر آگ پہ آہنگ کا پردہ تھا کلیم،
رقص میں ورنہ کوئی شعلۂ عریاں ہوتا

ناخدا میری طرف دیکھتا ہے کیا ہنس کر!
مجھ کو کس واسطے اندیشۂ طوفاں ہوتا!

یہ غنیمت ہے کہ غنچہ ہے قبائے گلشن،
ورنہ ہم بادہ گساروں کا گریباں ہوتا!

میں تو میکش ہوں مرے ہاتھ میں شیشہ ہے عدم
تُو تو مومن ہے ترے ہاتھ میں قرآں ہوتا

○

نہ رد ہو تمنّا تو مقبول ہو
کوئی بات تو حسبِ معمول ہو

فقیروں کے کچھ کام تو چل پڑیں
توجّہ اگر تیری مبذول ہو

مکاتیب لکھنا نہ چھوڑیں گے ہم
جوابِ نگاراں نہ موصول ہو

ہمیں ٹال دیجے بڑے شوق سے
مگر شرط ہے عذر معقول ہو!

چلو ہو ہی آئیں عدم دو گھڑی!
گلستاں میں شاید کوئی پھول ہو

○

نہ جادو ہے کوئی، نہ افسون ہے — رگوں میں ابھی نوجواں خون ہے

بہت کچھ سکھایا ہے حالات نے — یہ درویش دنیا کا ممنون ہے

جنوں، دشت و دریا میں ہے نالہ کش — خرد، دیر و کعبہ میں مدفون ہے

ابھی اور پڑھیے جنابِ کلیم! — محبت بڑا سخت مضمون ہے

ذرا دیکھئے روئے گل کی طرف! — صحیفہ ہے اور کتنا موزون ہے

ذرا کاکلوں کو جھٹک دیجئے — طبیعت بہاروں کی محزون ہے

ہے اعصابِ گل میں جو رقصاں علم
رگِ خار میں بھی وہی خون ہے

گلہ گزار بہاروں کو ساتھ لے کے چلو!
چلو تو چاند ستاروں کو ساتھ لے کے چلو!

تم آسماں کے معنی ہو، تم زمیں کے چراغ
پیمبروں کی پکاروں کو ساتھ لے کے چلو

اُداس راہگزاریں کدھر کو جائیں گی؟
اُداس راہگزاروں کو ساتھ لے کے چلو

کبھی مُرادوروں سے چھڑاؤ بھی دامن!
کبھی نصیب کے ماروں کو ساتھ لے کے چلو

بہشت میں کہاں ایسی شگفتگی ہوگی!
غلام تُم اپنے چناروں کو ساتھ لے کے چلو

○

عجیب حُسنِ عقیدت سے پھُول کھِلتے ہیں
کبھی خوشی کبھی حسرت سے پھُول کھِلتے ہیں

صبا کی بات کو دیتا ہے کون اہمیّت
خود اپنے جوشِ طبیعت سے پھُول کھِلتے ہیں

خزاں میں ہوتا ہے کم کم یہ حادثہ ساقی!
بہار میں بڑی کثرت سے پھُول کھِلتے ہیں

خِرد کے باغ کا عالم بھی خوب دیکھا ہے
وہاں عجیب متانت سے پھُول کھِلتے ہیں

عدمؔ اُسے بھی ہے کچھ علم جس پری کے لیے
چمن میں اتنی محبت سے پھُول کھِلتے ہیں!

جس نے دیکھی جناب کی صورت
بن گیا خود شراب کی صورت

ہائے اُس آفتاب کی گرمی
ہائے اس ماہتاب کی صورت

ہو گئی اور بھی حسیں شبنم!
دیکھ کر آفتاب کی صورت

جس کو تم نے سمجھ لیا موسےٰ!
جلتے جلتے خطاب کی صورت

وہ تو تھا اِک نقاب کا پَرتَو
وہ تو تھی اِک حجاب کی صورت

آپ خود ہی تو آئینے میں ہیں
آئینہ اور جناب کی صورت

اُس کی آنکھیں ہیں اس طرح جیسے
خامشی میں رباب کی صورت

عاشقی آفتاب کا عالم
دلبری ماہتاب کی صورت

جانے کس کی حسین نادانی ! بن گئی ہے حباب کی صورت

پڑھنے والا اگر نگاہ کرے زندگی ہے کتاب کی صورت

موت کیا؟ اور زندگی کیسی؟ ایک لطف، اک عتاب کی صورت

اِک ترے اختلاط کا نقشہ اِک ترے اجتناب کی صورت

کاکلِ یار بھی نظر آئی ! دلِ خانہ خراب کی صورت

دیکھو ایک پھول کے رُخ میں خاندانِ گلاب کی صورت

اے عدمؔ حشر نام ہے جس کا
وہ بھی ہے اِک حساب کی صورت

○

رُوپ والے ہو، نام کر جاؤ ہم فقیروں کے کام کر جاؤ

لہلہا کر بکھیر دو انجم! مسکرا کر کلام کر جاؤ

کیسے گزرینگی ہجر کی گھڑیاں کچھ نہ کچھ اہتمام کر جاؤ

ہم فقیرونکے جھونپڑوں میں بھی چند لمحے قیام کر جاؤ

ڈال دو آفتاب پر گیسو دوپہر ہی کو شام کر جاؤ

عشق خلّاقِ حُسن ہو شاید عشق کا احترام کر جاؤ

ہوش تخلیقِ وہم ہو شاید ہوش کو غرقِ جام کر جاؤ

بات کو درمیاں ہی مت چھوڑو گفتگو کو تمام کر جاؤ

میکدے سے اُٹھو تو نام اپنے نقشِ دیوارِ جام کر جاؤ

زندگی تم کو ڈھونڈتی ہے عدمؔ
زندگی کو سلام کر جاؤ

نگاہیں ہوں تو وقتِ شام کیا رنگین ہوتا ہے
شفق کے فرش پر رقصِ مہ و پروین ہوتا ہے

ہوس جتنے چمن زاروں کی چاہے چھین لے عصمت
مگر دامن کہاں بھرپور اے گل چین ہوتا ہے

بجا ہے محتسب بادہ گساری ایک لعنت ہے
مگر اس نیک شے سے کیا زیانِ دین ہوتا ہے

انا الحق کہہ ہی دیتی ہے جوانی لہر میں آکر
جوانی کا مزاج اے محتسب رنگین ہوتا ہے

پتنگا شمع پر گرتا ہے کس حُسنِ عقیدت سے
گناہِ عاشقی کیا قابلِ تحسین ہوتا ہے!

عدمؔ کیا علم تھا ہم جا رہے ہیں اُس خرابے میں
جہاں قانون ہوتے ہیں، جہاں آئین ہوتا ہے

○

صبا کے شہر میں جز نکہتِ بے نام کیا ہوگا
طبیعت کو خیالی چین سے آرام کیا ہوگا

برائے نام کچھ دینے پہ وہ مائل تو ہیں لیکن
سمجھنا چاہتا ہوں یہ برائے نام کیا ہوگا

تری پہلی نظر نے کر دیا ہے مجھ کو دیوانہ
مرا آغاز یہ ہے تو مرا انجام کیا ہوگا

مرے ہاتھوں کی جانب مسکرا کر دیکھنے والے
مرے دستِ عقیدت میں بغیرِ جام کیا ہوگا

تمہارے فہم میں کچھ نقص ہو تو عین ممکن ہے
ہماری گفتگو میں جانِ من ابہام کیا ہوگا

نہ جبتک اے عدمؔ وہ زلف و رُخ تائید فرمائیں
گمانِ صبح کیسا ہوگا۔ یقینِ شام کیا ہوگا

○

جب بھی ہم کو یاد کرو گے — چیخو گے، فریاد کرو گے

کب رکھیں امیدِ کرم کی — کب کوئی بیداد کرو گے

دل کی بستی بے رونق ہے — کب اس کو آباد کرو گے

ہم جس دن موجود نہ ہوں گے — ہم کو اس دن یاد کرو گے

کیا قدرِ فرہاد ہوئی تھی! — کیا قدرِ فرہاد کرو گے

کیا طرزِ الطاف یہی ہے؟ — کیا یونہی دلشاد کرو گے

یارو اتنا خلق نہ برتو — آخر تم برباد کرو گے

ٹوٹ نہ جائیں خود ہی بندھن — کب ہم کو آزاد کرو گے

شہرِ عدم تک شور بپا ہے
کب ترکِ بیداد کرو گے!

ہم نے تم کو پیار کیا ہے
اور دیوانہ وار کیا ہے

پروانے نے جل کر شاید
الفت کا اظہار کیا ہے

توڑ دیا ہے ساغر میرا
یہ کیا تم نے یار کیا ہے

کیوں ہم سے ناراض ہو اتنے
کیا ہم نے سرکار کیا ہے

کیوں کرتے ہو قطعِ تعلق!
کس نے یہ اصرار کیا ہے

دل بھی حاضر جاں بھی حاضر
کب ہم نے انکار کیا ہے

آپ نے میرے دل میں بس کر
جنگل کو گلزار کیا ہے

تم کو ہی کل دکھ یہ ہوگا
کیوں مجھ کو بیمار کیا ہے

آج عدمؔ پھر توڑ کے توبہ
شیشے کو گلنار کیا ہے

○

خورشید درخشاں ہے جب تک آرام کی خواہش مت کیجے
حالات کے تپتے جنگل میں اصنام کی خواہش مت کیجے

دو وقت کبھی اک لمحے میں آپس میں ملے بھی ہیں صاحب
یا صبح کی خواہش مت کیجے یا شام کی خواہش مت کیجے

اِک عمر یہ زحمت فرما کر انعام لیا ہے کیا تم سے!
اب ہم سے خدارا تعمیلِ احکام کی خواہش مت کیجے

اس سہل پسندی سے دُنیا میں ہاتھ کبھی کچھ آیا ہے!
یا نام کی خاطر لڑ مریئے، یا نام کی خواہش مت کیجے!

میں نے نہ کہا تھا تم سے عدمؔ یہ لوگ تماشائی بھی نہیں
اب اور تماشا مت بنیئے۔ اب جام کی خواہش مت کیجے

○

ہمسایۂ گل ہیں کانٹے بھی اے گل چینو! محتاط رہو
گلزار کا دھن اور سرمایہ۔ یوں مت چھینو محتاط رہو

اربابِ ہوس رنگ اور زر پر اخلاص نچھاور کرتے ہیں
اے گل رنگو! ناداں نہ بنو۔ اے زرّینو! محتاط رہو

اخلاص کی دولت ہر مورت پر بھینٹ چڑھانا ٹھیک نہیں
یہ دُنیا کھوٹی چاندی ہے۔ اے مسکینو! محتاط رہو

پندارِ نظر کی خوش فہمی ہر گام پہ دھوکا کھاتی ہے
اے اندازو! عجلت نہ کرو۔ اے تخمینو! محتاط رہو

ممکن ہے عدم کی مے نوشی بہتر ہو تمہارے سجدوں سے
حد سے نہ بڑھو، اے ملّاؤ۔ اے کج بینو! محتاط رہو

جفا طراز وفا آشنا بھی ہوتے ہیں
ڈبونے والے بھنور ناخدا بھی ہوتے ہیں

ہوس ہی حرف نہیں جانِ آرزو ساقی
کچھ اور رنگ پسِ مدّعا بھی ہوتے ہیں

نہ بدحواس ہوا اے شمع اُن کی وحشت سے
یہ جلنے والے بہت پارسا بھی ہوتے ہیں

میں کچھ بتا نہیں سکتا گلوں کے بارے میں
سُراب ہیں یہ حقیقت نما بھی ہوتے ہیں

ہماری حسن پرستی پہ اعتراض نہ کر!
صنم پرست خدا آشنا بھی ہوتے ہیں

جنابِ موسے کو اب جا کے یہ ہوئی ہے خبر
وہ مہرباں ہی نہیں ہیں خفا بھی ہوتے ہیں

چڑھا دو دار پہ مجھ کو اگر غلط ہوں میں
مرا خیال ہے بندے خدا بھی ہوتے ہیں

ہمیشہ رہتے ہیں جو اختلاف پہ مائل
کبھی کبھی وہ مرے ہم نوا بھی ہوتے ہیں

تمام لوگ غرض مند ہی نہیں ہوتے
کچھ ان میں وہ ہیں جو بے مدعا بھی ہوتے ہیں

ادائے سجدہ کوئی سہل سا مذاق نہیں
نظر وروا کبھی سجدے ادا بھی ہوتے ہیں

تو آکہ خوبیٔ قسمت کا اعتبار آئے
ترے بغیر مقدر رسا بھی ہوتے ہیں

عدمؔ میں بھول گیا تھا نگار سے مل کر
کہ ملنے والے اصولاً جدا بھی ہوتے ہیں

○

○

مرے خیال نہ جانے کہاں سے آتے ہیں
ضمیرِ ارض سے، یا آسماں سے آتے ہیں

صبا! یہ شعلۂ خوشبو، کہاں سے اٹھتا ہے
خدا! یہ رنگ کے پنچھی کہاں سے آتے ہیں

نہ اُس طرف ہیں مغنّی، نہ اس طرف ہیں لب
یہ زمزمے تو کہیں درمیاں سے آتے ہیں

خیال ہو تو پھر اِک روز سیر کر آئیں!
پیام اب بھی مجھے کہکشاں سے آتے ہیں

تری نگاہ کی مستی کہاں سے ملتی ہے؟
یہ میکدے تو ازل کی دکاں سے آتے ہیں

کہیں قیام کی لغزش نہ دوستو کرنا!
کہ راستے ہیں بڑے گلستاں سے آتے ہیں

یہ لوگ اتنے جو آتے ہیں لڑکھڑاتے ہوئے
مرا گمان ہے کوئے مغاں سے آتے ہیں

ہماری سمت سے پیرِ مغاں کو یہ کہہ دو
چھڑا کے پیچھا غمِ دو جہاں سے آتے ہیں

عجیب حال ہے یاروں کے آنے جانے کا
گراں سے جاتے ہیں اور سرگراں سے آتے ہیں

جہاں سے ملتا ہے اُن انکھڑیوں کو رنگ قدم
مرے سرور بھی اکثر وہاں سے آتے ہیں

○

O

بیدلی بھی ہمیں سہاگ لگے
ہائے اِس زندگی کو آگ لگے

ہے بہت کچھ مزاج پہ موقوف
نوحہ ممکن ہے، تم کو راگ لگے

اِس طرح جل رہا ہے دل جیسے
پھول کی پنکھڑی کو آگ لگے

ختم ایسے ہُوا ہے لطف اُنکا
جیسے بوتل کے سر پہ کاگ لگے

ہائے یہ زندگی ہماری عدمؔ
جس کو راحت ملے نہ آگ لگے

○

اُن کے قدموں کی چاپ آتی ہے
زندگی چل کے آپ آتی ہے!

میری وحشت خِرد کی راہوں کو
چند لمحوں میں ماپ آتی ہے

کِتنی خوش آ رہی ہے فصلِ بہار
کر کے کس سے ملاپ آتی ہے؟

میرے نغمے کو بھی ذرا سُن لو!
مجھ کو بھی اِک الاپ آتی ہے

ہم کو کیا زندگی سے کام عدمؔ
آپ جاتی ہے۔ آپ آتی ہے

○

تمھاری کاکلِ برہم کی بات کرتے ہیں
بہارِ سلطنتِ جم کی بات کرتے ہیں

طلوعِ حشر کو تھوڑا سا رنج ہوتا ہے!
جب آپ میری شبِ غم کی بات کرتے ہیں

سحر کے وقت نہ کیوں آئے نیند پھولوں کو
تمام رات تو شبنم کی بات کرتے ہیں!

حضور برہمیٔ زلف کا بیان نہیں
حضور گردشِ عالم کی بات کرتے ہیں

یہ جوئبار، یہ دریا، یہ بے قرار بھنور!
یہ کس کے گریۂ ماتم کی بات کرتے ہیں!

وہاں نشاطِ ابد کا ہو تذکرہ تو بجا
یہاں تو راحتِ یکدم کی بات کرتے ہیں

جب آپ بیتی سناتے ہیں ہم زمانے کو
گماں یہ ہوتا ہے عالم کی بات کرتے ہیں

ترے عتابِ چمن آفریں کے دیوانے
کریں تو گیسوئے برہم کی بات کرتے ہیں

نظر اٹھاؤ تو غائب ہیں خواب کی صورت
غزال ہیں یہ فقط رم کی بات کرتے ہیں

عدم عداوتِ باہم کے بھی جو اہل نہیں
وہ لوگ الفتِ باہم کی بات کرتے ہیں

○

ضرورتِ دلِ ناداں کو یاد رکھا ہے
شراب و سازِ گلستاں کو یاد رکھا ہے

خمارِ چشمِ غزالاں کبھی نہیں بھولا
خمارِ چشمِ غزالاں کو یاد رکھا ہے

اگرچہ دل میں چبھے ہیں ہزارہا کانٹے
خلوصِ عہدِ بہاراں کو یاد رکھا ہے

طلوعِ حشر یہ روشن ہوا کہ یزداں نے
ہمارے چاکِ گریباں کو یاد رکھا ہے

خدا کی اتنی عنایت، خدا کا اتنا کرم؟
وفا سرشتیٔ انساں کو یاد رکھا ہے

رہِ حیات کے ہمت شکن اندھیروں میں
تری نگاہ فروزاں کو یاد رکھا ہے

بھر آ گئے ہیں عقیدت سے ڈوبنے کے لیے
خلوصِ نیتِ طوفاں کو یاد رکھا ہے

وگرنہ اتنی پریشانیاں کہاں جاتیں!
کسی کی زلفِ پریشاں کو یاد رکھا ہے!

خدا گواہ کہ دورِ سبو میں بھی ہم نے!
ہجومِ گردشِ دوراں کو یاد رکھا ہے:

ہے اب بھی قلبِ زلیخا میں چاندنی شب کی
کچھ اس طرح مہِ کنعاں کو یاد رکھا ہے

ذرا سا تیز طبیعت رہا ہے گو ساقی
مگر عقیدتِ رنداں کو یاد رکھا ہے

وہ جھومتی ہوئی بدمست رُت نہیں بھولی
اُس ارتباطِ دل و جاں کو یاد رکھا ہے

ملاحتِ غمِ دوراں کے ساتھ ساتھ علاؔم
صباحتِ لبِ خنداں کو یاد رکھا ہے

○

○

عجب نشۂ داستاں ہو گیا
جسے نیند آتی گئی سو گیا!

ہے توفیق تو ڈھونڈ کر اُس کو لا
مسافر تری راہ میں کھو گیا!

چلا تو ہے دل اپنی پہچان میں،
خدا بن گیا یا صنم ہو گیا!

مجھے طُور پر سوچ کر بھیجیے!!
اگر میں بھی جا کر وہاں کھو گیا

مری کشتِ دل کا بھی کیا ظرف تھا
جو آیا وہی تلخیاں بو گیا

نہ جانے کشش کیا تھی اُس دیس میں
نہ لوٹا عدم کی طرف جو گیا

○

اگر ہو سکے لطف سے کام لو
میں گرنے لگا ہوں مجھے تھام لو

سفر کٹ ہی جائے گا اے دوستو
ذرا دو گھڑی اور آرام لو!

گیا وقت پھر ہاتھ آتا نہیں
میں بربط اُٹھاتا ہوں تم جام لو

نکل آئے ہیں شام کے آفتاب
سحر ہو گئی ہے سرِ شام لو!

مری آرزو ہے مرے سامنے
کبھی اتفاقاً مرا نام لو!

عدمؔ تہمتِ مے اُٹھائی تو کیا
کوئی خوبصورت سا الزام لو!

○

جنون و ہوش کی جو شرط تھی وہ ہار گئی
وہ چشمِ تیز نظر ہر طرف سے مار گئی

عجیب چیز تھی اُس زلفِ عنبریں کی ہوا
جب آئی میرے خیالات کو نکھار گئی

دیا تھا قرض اُسے ہم نے جو عقیدت کا
وہ زلف جھوم کے وہ قرض بھی اتار گئی

جو بات پوچھی تھی شبنم نے پھول سے ہنس کر
جواب دینے کو اُس کا، زبانِ خار گئی!

عجیب شے ہے تماشے کی بیخودی بھی عدم
نظر کی راہ سے گزری، جگر کے پار گئی

○

یقینِ عشق سراپا بہار ہے اب بھی
کمال ہے کہ ترا اعتبار ہے اب بھی

جفا کی بھی نہیں ہمّت تو دست کش ہو جا!
مرے حبیب تجھے اختیار ہے اب بھی

تجھے گماں ہے کہ موسم خزاں کا آ بھی گیا
مجھے یقیں ہے کہ عہدِ بہار ہے اب بھی

تو آئے گا، تجھے آنا پڑے گا مجبوراً
وہ اس لئے کہ مجھے انتظار ہے اب بھی

کھُلے گی زلف تری میرے دوش وسینہ پر
یقینِ رحمتِ پروردگار ہے اب بھی

جو کاروبار تھا دونوں کا اک زمانے سے،
زمانہ گزرا وہی کاروبار ہے اب بھی!

خرد ہے منہمکِ خبطِ دُور اندیشی،
جنوں بغیرِ سبب خندہ بار ہے اب بھی!

وہ بُت پرست عدم عرفِ عام ہے جس کا
خرابِ شوخیِ نقش و نگار ہے اب بھی

○

○

میں خلوصِ عشق کا اظہار کرتا جاؤں گا
پیار کرنے کا جنوں ہے پیار کرتا جاؤں گا

پیچھے پیچھے آتے جائیں گے مرے دُنیا کے غم
آگے آگے راستہ ہموار کرتا جاؤں گا

جس نے تھوڑی سی بھی کی بیداد میرے حال پر
اُس سے ہمدردی کا کچھ اظہار کرتا جاؤں گا

خنجرِ اخلاص کی بُرّش کو خُوں سے کیا غرض
آپ بچتے جائیں گے۔ میں وار کرتا جاؤں گا

فکر مت کر راستے میں آگئی تو اے عدمؔ!
لامحالہ احترامِ دار کرتا جاؤں گا!

○

کتنے ہشیار بن گئے ہیں ہم !
مست و میخوار بن گئے ہیں ہم

سجدہ یزداں کو بھی نہیں کرتے
کتنے خوددار بن گئے ہیں ہم

طور پر اب کسے بلائے گا !
ترا رخسار بن گئے ہیں ہم

تیری تخلیق کی وہ لغزش ہیں
تیرا شہکار بن گئے ہیں ہم

اب نہ کرنا کوئی سِتم ہم پر
اب خود آزار بن گئے ہیں ہم

دیکھ کر گردشِ زمانہ کو
تیری رفتار بن گئے ہیں ہم

کتنے آساں ہو گئے ہو تم
کتنے دشوار بن گئے ہیں ہم

جب سے دیکھا ہے مہ وشوں کو عدمؔ
نقشِ دیوار بن گئے ہیں ہم

○

جب مآلِ میگساری بھی خمارِ ہوش ہے
تیری بندہ پروری ساقی وبالِ دوش ہے

حیرتِ نظّارگی سے آئینۂ صورت ہوں میں
یہ نہیں معلوم مستی ہے یا ہوش ہے

گو ہزاروں حشر ہیں ہر نقش میں گرمِ خروش
عالمِ تصویر پھر بھی عالمِ خاموش ہے

دیکھنا اُس آہوئے محتاط کا رنگِ خرام
اس طرح محسوس ہوتا ہے بہت باہوش ہے

جتنا ڈرتے جاؤگے اُتنا ہی مرتے جاؤگے
زندگی ساحل نہیں، طوفان کا آغوش ہے

آج میری بیخودی میں ہی نہیں رنگِ شعور
آج تیری انکھڑیوں کو بھی ذرا سا ہوش ہے

زندگی یہ ہے تو بے معنی ہے کھٹکا موت کا
زندگی کیا ہے سراسر موت کا آغوش ہے

جس کو کہتے ہیں تماشا ہے ترنّم کا سکوت
جس کو کہتے ہیں نظر موسیقیٔ خاموش ہے

جب کسی ہنستی ہوئی اُلجھن نے پہلو وا کیا
میں نے یہ سمجھا کسی معشوق کا آغوش ہے

کچھ تو ہے جس سے غزالانِ چمن ہیں بدحواس
یا ہجومِ بیخودی ہے یا ہجومِ ہوش ہے

تو نے دیکھا ہی نہیں پوری توجہ سے عدمؔ!
ورنہ جو نقشِ چمن ہے آئینہ بردوش ہے

مے نہ دیجے۔ شعور دے دیجے
کوئی شئے تو حضور دے دیجے

اک حیات آفریں نظر کرکے،
زندگی کا شعور دے دیجے!

میرے دل میں بڑے اندھیرے ہیں
اپنی آنکھوں کا نور دے دیجے!

دل شکستہ نہ کیجئے واپس!!
کچھ نہ کچھ تو ضرور دے دیجے!

آپ اگر دینا چاہتے ہیں کچھ!
بے تکلف حضور دے دیجے!

آرہے ہیں عدم حسیں رہزن
یہ خبر نزد و دور دے دیجے!

○

اپنی زلفوں کو ستاروں کے حوالے کردو
شہرِ گُل بادہ گساروں کے حوالے کردو

تلخیٔ ہوش ہو یا مستیٔ ادراکِ جنوں
آج ہر چیز بہاروں کے حوالے کردو!

مجھ کو یارو نہ کرو راہ نماؤں کے سپرد
مجھ کو تم راہ گزاروں کے حوالے کردو!

جاگنے والوں کا طوفاں سے کرادو رشتہ
سونے والوں کو کناروں کے حوالے کردو!

میری توبہ کا بجا ہے یہی اعزاز عدمؔ
میرا ساغر مرے یاروں کے حوالے کردو!

ہم کچھ اس ڈھب سے ترے گھر کا پتا دیتے ہیں
خضر بھی آئے تو گمراہ بنا دیتے ہیں!

تُو تو سرمایۂ ہستی ہے ترا ذکر ہی کیا
ہم تو دشمن کو بھی اے دوست دعا دیتے ہیں

شیخ مت ساغرِ بادہ کی طرف ہاتھ بڑھا
آدمی دیکھ کے ہم آبِ بقا دیتے ہیں

جانے کب تک یونہی آوارۂ منزل رہتے
راہ زن تیری بصیرت کو دُعا دیتے ہیں

جب بھی کھلتے ہیں مہکتے ہوئے گیسو تیرے!
ٹھنڈی ٹھنڈی سی جلن دل میں بسا دیتے ہیں

جن سے تقدیر بگڑتی ہے وہ اسباب عدمؔ
بعض اوقات مقدر کو بنا دیتے ہیں!!

○

سحر ہو گئی ہے مگر رات ہے
منجّم سے پوچھو یہ کیا بات ہے

اندھیروں میں سُورج ہے بویا ہُوا
وہ گیسو نہیں چاندنی رات ہے

فقط دو تو ہیں رونقوں کے مقام
قیامت نہیں تو خرابات ہے

ابھی اُن سے کیا عرضِ مطلب کریں
ابھی چار دن کی ملاقات ہے!

کُشادہ نہیں اُس کا ظرفِ کرم!
عدؔم زندگی کس کی خیرات ہے

○
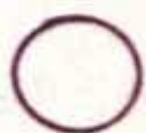
امیروں کو اعزاز و اقبال دو
غریبوں کو فردوس پر ٹال دو

اب آ ہی گیا ہوں تو پرہیز کیا
مرے جام میں بھی ذرا ڈال دو

ہوئی ملتوی یا بپا ہو گئی
قیامت کا کچھ حال احوال دو!

میں کر لوں گا خود دیکھ کر فیصلہ
مجھے میری تفصیلِ اعمال دو

نہ در آسکے جس میں دنیا عدم
مرے گرد وہ دائرہ ڈال دو!

جب بھی نگاہِ ساقی دل کو ٹٹولتی ہے
ارماں بھی ڈولتے ہیں، نیت بھی ڈولتی ہے

وہ آئینے میں ایسے محسوس ہو رہے ہیں
انگڑائی لے کے جیسے تصویر بولتی ہے

کس وقت سے خوشی کو آواز دے رہا ہوں
دیکھیں وہ نازنیں کب دروازہ کھولتی ہے

کل کی خبر نہیں کیا حالات رونما ہوں
اب تک تو بے نیازی انوار رولتی ہے

جانے یہ کیا ہُوا ہے دوشیزۂ خرد کو
گھبرا کے دیکھتی ہے۔ شرما کے بولتی ہے

اِک وقت تھا عادمِ جب وہ خود نہ بولتے تھے
اِک وقت یہ ہے اُن کی تصویر بولتی ہے

قرطاس لو، قلم لو، اور لکھ ہی دو فسانہ
کس طرح دو دلوں کے بیچ آگیا زمانہ

کس حیلہ جو جہاں میں بھیجا ہے تو نے ہم کو
تدبیر بھی بہانہ، تقدیر بھی بہانہ

دو بے خطا دلوں کو تکلیف دے کے ناحق
محسوس ہو رہا ہے شرما گیا زمانہ

تم سے تو بات کی تھی تسکینِ دل کی خاطر
تم کو بھی آگئی ہے تقریرِ ناصحانہ

چپ ہو کے میکدے سے نزدیک سے نکل جا
ورنہ خراب ہوگی اے گردشِ زمانہ

شیشے، رباب، شاہد، خوشبو عدم گلوں کی
موسم گزر رہا ہے کیا مست و والہانہ

○

عقل نے شغلِ جاں فگار دِیا
دُور اندیشیوں نے مار دِیا

ہم نے عہدِ بہار بھی ساقی!
سوچتے سوچتے گزار دیا!

دِل دِیا دِل بنانے والے نے
یا کھٹکتا سا کوئی خار دِیا

جاؤ کون و مکاں پہ چھا جاؤ
مہ وشو تم کو اختیار دیا

تم کو رنگینیٔ ابد بخشی!
تم کو سرمایۂ بہار دیا

موت کیا، زندگی نے تنگ آ کر
آپ ہی ہم کو تیر مار دیا

یہ الگ بات کچھ دیا ہی نہیں
یہ بجا ہے کہ بے شمار دیا

صرف وہ آنکھ تھی عدمؔ جس نے
رُوح کو دائمی قرار دِیا!

دل نہ جیتا ہے اور نہ مرتا ہے
وقت تکلیف سے گزرتا ہے

بات ہے اتفاق کی، ورنہ
کون کس کا خیال رکھتا ہے

دُنیا اجڑی دکھائی دیتی ہے
جب کوئی شخص آہ بھرتا ہے

کتنا نادان ہے مصوّر بھی
پھر لکیروں میں رنگ بھرتا ہے

اُس حسیں کی نگاہ ہونے تک
کون جیتا ہے، کون مرتا ہے

آؤ یہ معجزہ بھی دیکھ ہی لو
جام سے میکدہ اُبھرتا ہے

کام ہی کیا ہے اور لوگوں کو
کوئی جیتا ہے کوئی مرتا ہے

ہم کو پہلے ہی کوئی ہوش نہیں
کیوں مکرّر نگاہ کرتا ہے

ایسے پروان چڑھ رہے ہیں وہ
رنگِ گُل جس طرح نکھرتا ہے

رات ہوتی ہے نوجوان عدمؔ
گیسوئے عنبریں بکھرتا ہے

○

سحر کی ابتدا ہونے سے پہلے رات جاتی ہے
ترا وعدہ وفا ہونے سے پہلے رات جاتی ہے

سُنا تھا رات آئے گی تو چھیڑے گی کوئی نغمہ
مگر نغمہ سرا ہونے سے پہلے رات جاتی ہے

کبھی دورِ سبو چلنے کے بعد آتی ہے مستی میں
کبھی رقصِ صبا ہونے سے پہلے رات جاتی ہے

طبیعت کو بجا کرنے کی خاطر رات آئی تھی!
طبیعت کے بجا ہونے سے پہلے رات جاتی ہے

وہ گیسو منتشر ہوتے تو ہم بھی مانگ لیتے کچھ
عدم وقتِ دعا ہونے سے پہلے رات جاتی ہے

○

وہاں جائیں تو مشکل ہی سے واپس لوگ آتے ہیں
عتابِ صدرِ محفل ہی سے واپس لوگ آتے ہیں

نہ پہنچے ہم کنارے تک تو ہے اس میں تعجب کیا
نہ موقع ہو، تو ساحل ہی سے واپس لوگ آتے ہیں!

نہ کھو ان قیمتی بندوں کو اپنی بے نیازی سے
چلے جائیں تو مشکل ہی سے واپس لوگ آتے ہیں

یونہی واپس نہیں لوٹے یہ تیری بزم سے جاکر
مری جاں، بہ نیتِ دل ہی سے واپس لوگ آتے ہیں!

عدمؔ منزل سے آگے ہوش والا کون جاتا ہے
غرض یہ ہے کہ منزل ہی سے واپس لوگ آتے ہیں

ڈال کر کچھ تہی پیالوں میں !
رنگ بھر دو مرے خیالوں میں !

خواہشیں مر گئیں خیالوں میں
پیچ آیا نہ اُن کے بالوں میں!

اُس نے کوئی جواب ہی نہ دیا
لوگ اُلجھے رہے سوالوں میں

رَم کے خوگر ہیں عادتاً۔ ورنہ
خُلق ہی خُلق ہے غزالوں میں

دَیر و کعبہ کی بات مت پوچھو
واقعیّت ہے گُم مثالوں میں!

آج تک دل میں چاندنی ہے عدمؔ
گھِر گئے تھے پری جمالوں میں!

محسن میرے جواں خیالوں کا!
ناک نقشہ ہے کن غزالوں کا؟

زندگی بر میں لے کے بیٹھی ہے
ایک دفتر ادق سوالوں کا

کتنے روشن مرے عقیدے ہیں
معتقد ہوں پری جمالوں کا

دیکھ کر میری پیاس کا عالم
رنگ اُڑنے لگا پیالوں کا

بات کوئی نہیں حقائق میں!
صرف اک دام ہے مثالوں کا

دین ہو اے عدمؔ کہ دنیا ہو
سلسلہ ہے حسین چالوں کا!

○

ساغر سے لب لگا کے بہت خوش ہے زندگی
صحنِ چمن میں آ گئے بہت خوش ہے زندگی

آ جاؤ اور بھی ذرا نزدیک جانِ من!
تم کو قریب پا کے بہت خوش ہے زندگی

ہوتا کوئی محل بھی تو کیا پوچھتے ہو پھر!
بے وجہ مسکرا کے بہت خوش ہے زندگی

مدت سے تھا محیط سلامت روی کا بوجھ
دو لمحے لڑکھڑا کے بہت خوش ہے زندگی

ساحل پہ تھی تو اتنی شگفتہ روش نہ تھی
طوفاں کے بیچ آ کے بہت خوش ہے زندگی

ویران دل ہے اور عدمؔ زندگی کا رقص
جنگل میں گھر بنا کے بہت خوش ہے زندگی

آئی تو ہے بہار مگر ہم ملول ہیں

موسم ہے خوشگوار مگر ہم ملول ہیں

دیتے ترے تبسّمِ گلرنگ کا جواب

اے موسمِ بہار مگر ہم ملول ہیں

اتنا تضادِ ظاہر و باطن میں الاماں

دنیا ہے زرنگار مگر ہم ملول ہیں

ہم بھی شریکِ رقص ہوں مطربانِ خوش

ہم کو ہے اختیار مگر ہم ملول ہیں

نیّت تو ہے عدم کی کریں مے سے اختلاط

اے مردِ باوقار مگر ہم ملول ہیں

○

گرہ حالات میں کیا پڑ گئی ہے
نظر اِک مہ جبیں سے لڑ گئی ہے

نکالیں دل سے کیسے اُس نظر کو
جو دل میں تیر بن کر گڑ گئی ہے

محبت کی چبھن ہے قلب و جاں میں
کہاں تک اس مرض کی جڑ گئی ہے

ذرا آواز دو دار و رسن کو!!
جوانی اپنی ضد پہ اَڑ گئی ہے

ہمیں کیا علم تھا یہ حال ہوگا
عدمؔ صاحب مصیبت پڑ گئی ہے

شکایت ہے بہت محدود ہیں ہم
ازل سے تا ابد موجود ہیں ہم!

ہمیں دونوں سے دیرینہ گِلا ہے
خرابِ شاہد و مشہود ہیں ہم!

دلیلِ عالمِ غائب ہے یزداں
ثبوتِ عالمِ موجود ہیں ہم!

عجب منزل پہ لائی ہے محبّت
گماں ہوتا ہے لامحدود ہیں ہم

اگر موجود ہوتے تو غضب تھا
ابھی تو اے عدم مفقود ہیں ہم

○

ہمارے خانۂ دل میں گر آؤ تو سر آنکھوں پر
خود آؤ تو تم سر آنکھوں پر، بلاؤ تو سر آنکھوں پر

اگرچہ خوش نہیں ہوتے تمہاری آمدن پر ہم
مگر با ایں ہمہ تشریف لاؤ تو سر آنکھوں پر

ہماری نامرادی مُسکرانے ہی کے قابل ہے
ہمارے حالِ دل پر مُسکراؤ تو سر آنکھوں پر!

مَیں توبہ کر چکا ہوں گو خلوصِ قلب سے تاہم
محبّت سے اگر اک جام لاؤ تو سر آنکھوں پر

عدمؔ بیگانہ وش نظروں کی زحمت کا نہیں قائل
عدمؔ سے جھوم کر نظریں ملاؤ تو سر آنکھوں پر

○

بھرم رکھئے تو کیا رکھئے۔ بھرم کے پاس کیا ہوگا
صنم کے پاس چلئے پر صنم کے پاس کیا ہوگا

ہیں اربابِ کرم مشہور کافی ہم نشیں لیکن
ذرا سوچو تو اربابِ کرم کے پاس کیا ہوگا

یہ ہیں کیفیّتیں دو اعتباری، ان کی ہستی کا
خوشی کے پاس کیا ہوگا۔ الم کے پاس کیا ہوگا

یُونہی جا کر رہو گے شرمسار اُس بے بضاعت کو
سِوا اک جامِ پارینہ کے جمؔ کے پاس کیا ہوگا

چلو دیر و حرم سے ہی کریں مطلب براری کچھ
مگر اے دوستو دیر و حرم کے پاس کیا ہوگا

سوا کچھ زرد پھولوں کے، سوا کچھ سرد کلیوں کے
ارم کے پاس ڈھونڈو تو ارم کے پاس کیا ہوگا

جنابِ شیخ کی خدمت میں جانا اک سعادت ہے
سوال اتنا ہے شیخِ محترم کے پاس کیا ہوگا

یونہی میخانۂ ہستی سے اتنے بدگماں ہو کر
عدمؔ کے پاس جاتے ہو، عدمؔ کے پاس کیا ہوگا

○

O

جو بھی تصویر کی خرابی ہے
خواب و تعبیر کی خرابی ہے

مری تخریب کے تبسّم میں
کس کی تعمیر کی خرابی ہے

حسنِ خط کا تو کچھ قصور نہیں
طرزِ تحریر کی خرابی ہے

گفتگو تو سلیس ہے کافی
صرف تفسیر کی خرابی ہے

جس کو کہتے ہیں شومیٔ قسمت
وہ بھی تدبیر کی خرابی ہے

تیری زلفوں کا خم نہیں ساقی
میری تقدیر کی خرابی ہے

عشق کردار کا جنوں ہے عازم
عقل تقریر کی خرابی ہے

دل پہ یہ ظلم شاق ہے پیارے
تیرا پہلا فراق ہے پیارے

تُو خدا دوست، ہم صنم ہمدم
اپنا اپنا مذاق ہے پیارے

میں کہاں اور تیری ذات کہاں
صرف اک اتفاق ہے پیارے

زندگی ہے اگر تری قربت!
موت تیرا فراق ہے پیارے

واقعی تُونے خُوب فرمایا!
ہم کو شاید فراق ہے پیارے

جی رہا ہے عدمؔ جو مر مر کر
یہ بھی اک اتفاق ہے پیارے

صبح ساز دیتی ہے، رات جام لاتی ہے
زندگی مری خاطر، کتنے کام لاتی ہے

جانے کس ارادے سے دوستی مرے آگے
اِتنے نام لیتی ہے، اِتنے نام لاتی ہے

اب وہاں ہیں ہم ساقی، جس جگہ نگاروں کی
آنکھ صبح کرتی ہے، زلف شام لاتی ہے

عقل تو بصد مشکل بھاگتی ہے گھبرا کر
بے خودی مری اکثر، مجھ کو تھام لاتی ہے

ہیں عدم کی خاطر سب کاروبارِ ہستی کے
عشق پھول چُنتا ہے، عقل دام لاتی ہے

قدر کیا تری غنچے، اے بہار کرتے ہیں
کس طرح گریباں کو، تار تار کرتے ہیں

ہم پہ بھی تو جانانہ! اک نگاہِ مستانہ!
تجھ پہ جان دیتے ہیں، تجھ کو پیار کرتے ہیں

اس طرح ہی شاید کچھ دل کو صبر آ جائے
آپ سے محبت کو استوار کرتے ہیں!

زہرِ زیست پینا ہے، چند روز جینا ہے
آؤ راہِ میخانہ، اختیار کرتے ہیں

تم میں اور ہم میں ہے، صرف نسبتِ رسمی
اب تو لوگ مشکل سے، اعتبار کرتے ہیں

صبح کوئے جانانہ، شام صحنِ میخانہ
ہم بھی اے عدم کیسے کاروبار کرتے ہیں

○

چاند ہیں آفتاب ہیں یہ لوگ
زندگی کا نصاب ہیں یہ لوگ

دیکھ ان کی دراز زلفوں کو!
رحمتوں کا سحاب ہیں یہ لوگ

ایسے چلتے ہیں جس طرح چشمے!
زمزمے ہیں، رباب ہیں یہ لوگ

لوگ اور اپنے گلبدن توبہ
کیا سراپا گلاب ہیں یہ لوگ!

لوگ اور واقعی حسیں اتنے!
واقعہ ہیں کہ خواب ہیں یہ لوگ

میکدہ دیکھ لے تو مر جائے
کتنے مستِ شباب ہیں یہ لوگ

عنبریں حادثے ہیں یہ کافر!
مرمریں انقلاب ہیں یہ لوگ!

بنتے بنتے جوان تیور ہیں!
اُٹھتے اُٹھتے حباب ہیں یہ لوگ

رہنے والے تو ہیں عدم کے مگر
زندگی کا جواب ہیں یہ لوگ!

○

○
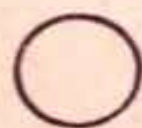
کیوں رہینِ تکلّفات ہو تم!
میرا سرمایۂ حیات ہو تم!

کائنات اور اِس قدر دلکش
رونق افروزِ کائنات ہو تم

چاند چڑھتا ہے دیکھ کر تم کو
واقعہ ہے کہ چاند رات ہو تم

جس سے باہر نہیں صفت کوئی
ایسا مجموعۂ صفات ہو تم!

مَیں عدؔم ہوں مجھے خبر ہے سب
مَیں نے دیکھا ہے شش جہات ہو تم

تری نگاہوں سے رنگ پی کر بہار دلچسپ ہو گئی ہے،
کلی تو پھر بھی کلی تھی تعمیرِ خار دلچسپ ہو گئی ہے!

جہاں بھی آپس میں اتفاقاً ملے ہیں دو ہم خیال راہی
یہ واقعہ ہے کہ کلفتِ راہگزار دلچسپ ہو گئی ہے

بڑی محبت سے رنگ بدلا ہے دورِ شیشہ نے حادثے کا
بڑی عقیدت سے گردشِ روزگار دلچسپ ہو گئی ہے

فغاں تو پہلے بھی کر رہے تھے طیور پر اُن کی آمدن سے
خروش پُر کیف ہو گیا ہے، پکار دلچسپ ہو گئی ہے

جہاں سے داخل ہوئے ہیں وہ اے عدم کہانی کے دائرے میں
وہاں سے رُودادِ زندگی بے شمار دلچسپ ہو گئی ہے

○

جنوں کا جو بھی معاملہ ہے وہ شُستہ و خوش نظام ہوگا
بلا تکلف جو چل پڑے گا وہ راہرو تیز گام ہوگا

جو ہر خطا کار راہزن کو دُعائیں دے کر چلا گیا ہے
وہ شخص میرا خیال یہ ہے بہت ہی عالی مقام ہوگا

جہاں ملو گے انہیں، وہیں بیٹھ جائیں گے لوگ آہ بھر کر
یہ واقعہ تو ضرور ہوگا حضور اور صبح و شام ہوگا

ہمیں غرض کیا کہ بزمِ محشر کی ہاؤ ہو میں شریک ہوتے
وہاں گئے ہیں جو چھپ چھپا کر، اُنہیں وہاں کوئی کام ہوگا

ابھی تو فصلِ بہار اس اتفاق پر غور کر رہی ہے
کہاں سبو کی نشست ہوگی، کہاں صبا کا قیام ہوگا

تمہارے گیسو سے بچ کے نکلے گی کس طرف سے نگاہ کوئی
سمیٹ لیجے تو حادثہ ہے، بکھیر دیجے تو دام ہوگا

چلو یہ منظر بھی دیکھ ہی لیں عدم تکلف کی گفتگو کیا
سنا ہے موسیٰ سے طور پر آج پھر کوئی ہم کلام ہوگا

○

○

یہ وحشت طبیعت کی ایجاد ہے
مرا درد، دردِ خداداد ہے

گریباں غنچہ ہے اس کا ثبوت
تبسّم بھی اک شکلِ فریاد ہے

ستائے گا کیا ہم کو تیرا فراق
ملاقاتِ صبحِ ازل یاد ہے

ذرا دیکھنا اس کی تصویر کو،
خموشی بھی اسلوبِ فریاد ہے!

عجب نوع کے آدمی ہیں یہ شیخ!
محبّت کو کہتے ہیں الحاد ہے!

تمھاری پریشان زلفوں کی خیر
ہمارے لئے کوئی ارشاد ہے

مٹائے گا مجھ کو عدم کیا کوئی!
محبّت مرا سنگِ بنیاد ہے

زمانہ ہے اس کا یہی کام ہے
ابھی حادثہ تھا ابھی جام ہے

سمجھ ہی گئے ہو مرا مدّعا
خدا کی قسم یہ تو الہام ہے

چلو آرزو کی کھٹک تو گئی!
طبیعت کو تھوڑا سا آرام ہے

خدا ان کو دے اور رعنائیاں
مجھے تیری زلفوں سے کچھ کام ہے

یہ کیا ماجرا ہے۔ لبِ خلق پر!
ترا نام ہے یا مرا نام ہے

اگر بات ہوتی ہے موسم پہ ختم
تو سرکار موسم تو گلفام ہے

جنابِ عدمؔ اتنی عجلت بھی کیا
ذرا صبر کیجے ابھی شام ہے

○

وہ فالِ نیک جنوں کی کتاب سے نکلے
شعورِ عقل کا دن بھی شراب سے نکلے

نکل کے آئے ہیں ہم ایسے بزمِ ساقی سے
کہ جیسے بادِ صبا شہرِ خواب سے نکلے

ہماری قدر اگر ہو تمری نگاہوں سے
جہانِ ذرّہ رگِ آفتاب سے نکلے

تو کہہ رہا ہے کہ ہم مر گئے ہیں اے ساقی
ہمیں خوشی ہے جہانِ خراب سے نکلے

بڑے ہی رنگ کھلے انکشافِ مستی سے
بڑے رموزِ شکستِ حباب سے نکلے

جو نغمے نکلے عدم چشمِ یار سے ہوتے
وہ نغمے پھر نہ سکوتِ رباب سے نکلے

○

ہیں رہگذر میں ابھی یا فرازِ بام پہ ہیں
جمالِ یار کے شیدائی کس مقام پہ ہیں

نظر کی چوٹ ہی نغمہ، نظر کا رس ہی شراب
تمھاری آنکھ کے احساں رباب و جام پہ ہیں

نہ ساز چھیڑتے ہیں اور نہ رُت نکھرتی ہے
خبر نہیں یہ مغنّی کس اہتمام پہ ہیں!

اٹھا سبو کہ ادھر سے ہی پہلا تیر چلے
تلے ہوئے غمِ کونین انتقام پہ ہیں

نگاہِ ہوش سے دیکھے اگر عدمؔ کوئی
تو نام لکھے ہوئے بے شمار جام پہ ہیں

○

ہے کنارا تو خوابوں کی بستی
یونہی پانی کی رَو میں بہا چل!

کسی ڈھب سے تو اے بیوفا مِل
کسی چھب سے تو اے مہ لقا چل!

اور کیا مانگتا ہے پتنگے!
پیاس تو زندگی کی بجھا چل!

جو نصیبوں میں ہے وہ ملیگا!
اے قلندر صدا مست لگا چل!

ہم بھی بیٹھے ہیں تیری لگن میں
یار اس سمت بھی دیکھتا چل!

گا رہے ہیں چمن میں پرندے
تان تو بھی خوشی کی اُڑا چل!

وہاں بستے ہیں دلدار اپنے
کبھی سوئے عدم بھی صبا چل!

○

بال کس نے ہوا میں بکھیرے — ہو گئی رات اتنی سویرے
اُف وُہ آنکھیں گلابی گلابی! — اُف وہ گیسو گھنیرے گھنیرے
اُجلی اُجلی لگن دو دِلوں کی — جیسے دو خوبصورت سویرے
سانپ کرتے ہیں رقص ان کیلئے پر — کس قدر خوشنوا ہیں سپیرے
سارا گلشن ہے مالی کی دولت — پھول اسکے نہ تیرے نہ میرے
درس لینا ہے گر کوئی میٹھا — کبھی آنا قلندر کے ڈیرے
مہ جبینوں کی گلیوں میں بابا — کم نہ ہونگے فقیروں کے پھیرے
ان کی زلفیں شفق کے دوارے — ان کے لب انگبیں کے بسیرے

رات کاٹی عدمؔ راستوں میں
ہو گئے منزلوں پر سویرے

O

ترے قدم میں ہے جنّت مرے نصیبوں کی
خدا قبول کرے بندگی غریبوں کی!

وہ اِک گناہ جو کرتے ہیں تیری رحمت سے
وہی تو جانِ فراست ہے ہم ادیبوں کی

علیل ہوں میں مگر اس قدر علیل نہیں
خدا سنبھالے طبیعت مرے طبیبوں کی

سخن سے پہلے ذرا احتیاط کر لینا
جنابِ عشق یہ اقلیم ہے صلیبوں کی

بس اِک دُعا ہے عدمؔ ہم فقیر لوگوں کی
ہمیشہ بستی رہیں بستیاں حبیبوں کی

○

نشاطِ قربِ صنم سے چمن دماغ ہوں میں!
بڑے خلوص سے مصروفِ سیرِ باغ ہوں میں

خلاف ورطۂ دریا بہاؤ ہے میرا
ہوائے تند میں جلتا ہوا چراغ ہوں میں

سمجھ رہے تھے مجھے لوگ رفتہ و بیخود
پتہ چلا کہ ترے عشق کا سُراغ ہوں میں

میں آئینہ بنوں اور وہ جمال کو دیکھیں!
بس اس خوشی میں فقط طالبِ چراغ ہوں میں

سوائے خیر نہیں کچھ عدم طبیعت میں
ضمیرِ غنچہ ہوں میں، سیرتِ ایاغ ہوں میں

○

شکلِ آغاز ہی غلط نکلی!
پہلی پرواز ہی غلط نکلی!

لے تو کچھ لے رہی تھی انگڑائی
نیّتِ ساز ہی غلط نکلی!

راز تو غیر اہم نہ تھے لیکن
محفلِ راز ہی غلط نکلی!

تیرے طالب تو اتنی دور نہ تھے
تیری آواز ہی غلط نکلی

عشقِ مشتاق تو بجا تھا عدم
عقلِ دمساز ہی غلط نکلی

○

آپ سے پیار ہوتا جاتا ہے!
کام دُشوار ہوتا جاتا ہے!

عقل کرتی ہے جتنی تدبیریں
عشق بیمار ہوتا جاتا ہے

کوئی لغزش نہ یار ہو جائے
شوق آزاد ہوتا جاتا ہے

جس قدر حالِ دل چھپاتے ہیں
صاف اظہار ہوتا جاتا ہے

زخمِ احساس کی خلش سے عدمؔ
پھول بھی خار ہوتا جاتا ہے

○

ہم کو اور خود کو ذرا ساغر بکف کر دیجئے
آج جاناں یہ تکلف برطرف کر دیجئے

دیکھنا یہ ہے کہ ہے کتنے زخموں کی احتیاج
زندگی کے حادثوں کو صف بہ صف کر دیجئے

موسمِ گل کی سماعت تشنۂ آہنگ ہے
اہتمامِ بربط و طاؤس و دف کر دیجئے

آ رہی ہے رقص کی خاطر کنیزِ شہرِ گل
گردشِ دوراں کو بڑھ کر برطرف کر دیجئے

آج عالم ہی دگر ہے مستیٔ مے کا عدم!
روشنی اس سے صدف اندر صدف کر دیجئے

○

دوپہر کی آگ بے پایاں ہے اب کر دیجیے
گیسوؤں کو کھول کر تخلیق شب کر دیجیے

ہے خوشی میں اور غم میں فرق ہی کتنا بڑا
غم کو تھوڑی سی جِلا دیکر طرب کر دیجیے

یہ جو پھولوں کی رگوں میں بہ رہی ہے چاندنی
کیوں نہ اس کو آپ کی تزئینِ لب کر دیجیے

کل مبادا حشر میں آنے کی فرصت ہی نہ ہو
آج ہی بہتر ہے تکمیلِ غضب کر دیجیے

بڑھ چلا ہے شیخ حدِ آدمیت سے عدم
اب یہی لازم ہے توہینِ ادب کر دیجیے

○

سردیوں کی طویل راتیں ہیں!
اور سودائیوں سی باتیں ہیں!

کتنی پُر نور تھیں قدیم شبیں!
کتنی روشن جدید راتیں ہیں!

حُسن کے بے حساب مذہب ہیں!
عشق کی بے شمار ذاتیں ہیں!

تم کو فرصت اگر ہو سُننے کی!
کرنے والی ہزار باتیں ہیں!

زیست کے مختصر سے وقفے میں!
کتنی بھرپور وارداتیں ہیں!

اے عدمؔ اُن سے پیار مت کرنا!
اُن کی زلفیں طویل راتیں ہیں

ہم جو ریب و ریا کے بندے ہیں
ہم بھی صاحبِ خدا کے بندے ہیں

اہلِ کشتی خدا کے یار نہیں
یہ فقط ناخدا کے بندے ہیں

ہم ابد تک ستم سہاریں گے
ہم ازل سے وفا کے بندے ہیں

اُن کا ایماں بجا نہیں، ورنہ
ہم تو اہلِ جفا کے بندے ہیں

وہ ہمیں بس یہی سمجھتا ہے!
جیسے اُس کی رضا کے بندے ہیں

میرا ایمان ہو گیا ہے عدمؔ
یہ صنم کبریا کے بندے ہیں

خیرات صرف اتنی ملی ہے حیات سے
پانی کی بُوند جیسے عطا ہو فرات سے

شبنم اسی جنوں میں ازل سے ہے سینہ کوب
خورشید کس مقام پہ ملتا ہے رات سے

ناگاہ عشق وقت سے آگے نکل گیا
اندازہ کر رہی تھی خرد واقعات سے

سُوئے ادب نہ ٹھہرے تو دیں کوئی مشورہ
ہم مطمئن نہیں ہیں تری کائنات سے

ساکت رہے ہیں تو ہم ہی ٹھہرتے ہیں باقصور
بولیں تو بات بڑھتی ہے چھوٹی سی بات سے

آساں پسندیوں سے اجازت طلب کرو
رستہ بھرا ہُوا ہے عدم مشکلات سے

○

اخلاص و اشتیاق سے معمور آ گئے!
ہم لوگ چلتے چلتے بہت دُور آ گئے!

آواز آئی جب بھی ہمیں اہلِ جبر کی
ہم بندگانِ عاجز و مجبُور آ گئے

تھا احترام مدِّ نظر چشمِ یار کا
سرشار آ گئے کبھی مخمور آ گئے

سُن کر ترے جمال کی شہرت گئے تھے ہم
ہو کر ترے جمال سے مسحُور آ گئے

ہے انتہائے شوق بھی اک حادثے کا نام
نزدیک جاتے جاتے بہت دُور آ گئے

کہتے ہیں اب وہ حسُن نہیں راہ میں عدم
اچھا ہُوا کہ ہم بڑے مسرور آ گئے

○

ہم کہاں عقلِ ہرزہ کوش کہاں
اب ترے وحشیوں کو ہوش کہاں

میرے مرنے کے بعد اے ساقی
جائے گا میرا بارِ دوش کہاں

اُن سے اظہارِ حال کرنا تھا!
ہو گیا مدّعا خموش کہاں!

جمع ہیں دو جہاں کے فرزانے
دیکھیں آتا ہے ہم کو ہوش کہاں

شکر ہے مجھ کو مل گئے کانٹے
ڈھونڈتا کوئے گل فروش کہاں

دل میں اِک حشر ہے نہاں اب بھی
یہ قیامت عدم خموش کہاں!

آپ اگر ہم کو مِل گئے ہوتے
باغ میں پھول کھِل گئے ہوتے

آپ نے یوں ہی گھور کر دیکھا!
ہونٹ تو یوں بھی سِل گئے ہوتے

کاش ہم آپ اس طرح ملتے
جیسے دو وقت مِل گئے ہوتے

ہم کو اہلِ خرد ملے ہی نہیں
ورنہ کچھ منفعل گئے ہوتے

اُس کی آنکھیں ہی کج نظر تھیں علیمؔ
دل کے پردے تو مِل گئے ہوتے

○

وہ جن کی چاہ میں ہم یُوں خراب ہوتے ہیں
وہ کم نگاہ بڑے دیر یاب ہوتے ہیں

حباب ٹُوٹا تو دریا کو یہ شعور ہُوا!
خموشیوں میں بھی چنگِ رباب ہوتے ہیں

وہاں جواب کی زحمت اُٹھا رہی ہے خِرد
جہاں سوال خود اپنا جواب ہوتے ہیں

خیالِ حشر نیا حادثہ نہیں کوئی
جہاں بشر ہوں وہاں احتساب ہوتے ہیں

ہے زُلف نام اُن آسُودہ جاں اندھیروں کا
نثار جن پہ ہزار آفتاب ہوتے ہیں

قدم قدم پہ ضروری ہے دُور اندیشی
قدم قدم پہ کئی انقلاب ہوتے ہیں

میں جب بھی دیکھتا ہُوں اُن اُداس نینوں کو
وہ نین زخم رسیدہ گلاب ہوتے ہیں!

سُنا ہے مَیں نے عدم جھنگ کے قلندر سے
قلندروں کے دِلوں میں حجاب ہوتے ہیں

○

جواب ان کا نہیں کوئی بے مثیل ہیں لوگ!
بڑے شریف ہیں لوگ اور بڑے ذلیل ہیں لوگ

یہی جزیرہ صرصر دیارِ گل ہوتا!
مگر ہوئی یہ قیامت کہ بے دلیل ہیں لوگ

مرے حبیب کو دیکھو تو آپ ہی کہہ دو!
بڑے حسین ہیں بندے، بڑے جمیل ہیں لوگ!

صبا تو جا کے یہ کہہ دے سعید ارشد کو!
تری طرح کے کہاں! رفیع و جلیل ہیں لوگ

ہیں میکدے میں کچھ انساں قیمتی باقی!
جہانِ دیر و حرم میں تو سب علیل ہیں لوگ

جہاں اگرچہ ہے پُر بے شمار لوگوں سے
یہ تجربہ ہے عدم کا بہت قلیل ہیں لوگ

○

جب وہ فتنہ زا جواں ہو گا
صبحِ محشر کا ترجماں ہو گا

باغ ہی کو سلام کر دیجے
باغ ہو گا نہ آشیاں ہو گا

ہم فسانہ نگار بنتے ہیں،
کون عنوانِ داستاں ہو گا

حالِ دل بس ملاحظہ کر لو
یہ فسانہ کہاں بیاں ہو گا

ڈر رہا ہے جو اتنی تکلیفیں
اے عدمؔ کوئی مہرباں ہو گا

○

جام اُٹھاؤ کہ یار رقصاں ہے
زندگی کا شرار رقصاں ہے

رقص اور صرف رنگ تک محدود؟
پھول کیا نوکِ خار رقصاں ہے

چل رہی ہے نسیم لہرا کر!
نکہتِ نغمہ بار رقصاں ہے

سیم گوں بازوؤں کی لہروں پر
گیسوئے تابدار رقصاں ہے

ابروؤں کا تناؤ ہے بے کل!
انکھڑیوں کا خمار رقصاں ہے

○

ایسے رقصاں ہے موجِ مے جیسے
دُخترِ شہریار رقصاں ہے

جام کا انگ انگ ہے زخمی
ساز کا تار تار رقصاں ہے

گردشِ چشمِ یار کے آگے
گردشِ روزگار رقصاں ہے

رُوپ کی جوئبار کو لے کر!
رنگ کا آبشار رقصاں ہے

عالمِ حادثات کو چھوڑو!!
عالمِ اعتبار رقصاں ہے

دیکھ کر رقص میں جنوں کو عدم!
عقلِ ناکردہ کار رقصاں ہے

○

اگرچہ شدتِ رنج و محن میں یار جیتا ہوں!
خدا شاہد ہے میں تیری لگن میں یار جیتا ہوں

تن اور من پر نہ ہو جب تک نگاہِ اعتنا تیری
نہ تن میں یار جیتا ہوں، نہ من میں یار جیتا ہوں

تری بیگانگی ہی پیرہن ہے میری ہستی کا!
تری بیگانگی کے پیرہن میں یار جیتا ہوں!

کبھی فرصت ملے تو جس جگہ چاہے مجھے مل لے
بنوں میں سانس لیتا ہوں، چمن میں یار جیتا ہوں

عدم ہوں اس سے زائد اور تو کچھ کہہ نہیں سکتا
ہمیشہ زندگی کی انجمن میں یار جیتا ہوں

○

کچھ اس انداز سے ہم کو خلوصِ یار ملتا ہے
کہ جیسے مصلحت کو کوئی ظاہر دار ملتا ہے

جو پہلی مرتبہ آیا ہے ان سے گفتگو کر کے
بڑا شاداب ملتا ہے، بڑا سرشار ملتا ہے

ملاقات اس طرح ہوتی ہے دو واقف نگاہوں میں
کہ جیسے جھوم کر مے خوار کو مے خوار ملتا ہے

رفیقانِ سفر جی کو کڑا رکھنا کہ رستے میں
بڑی مشکل سے کوئی سایۂ دیوار ملتا ہے

عدمؔ کچھ اس طرح اُجڑا ہے گلشن اِس بہاراں میں
نہ کوئی پھول ملتا ہے نہ کوئی خار ملتا ہے!

○

کاتب یہ تقصیر نہ کرنا!
اُن کو خط تحریر نہ کرنا!

ہم تم ملتے ہیں چھپ چھپ کر
اِس شئے کو تشہیر نہ کرنا!

اب کوئی امّید نہیں ہے
اب کوئی تدبیر نہ کرنا

کب گُڑیا محفوظ رہی ہے
اب گُڑیا تعمیر نہ کرنا!

بس یہ آخری زحمت ہوگی
آجانا تاخیر نہ کرنا

بات عدمؔ گر کہ ہی دی ہے
اب اُس کی تفسیر نہ کرنا!

○

اے طفلِ نادان نہ ہونا
باتوں پر قربان نہ ہونا

اے دلِ عشق کہاں جائے گا
اے بستی ویران نہ ہونا

گھٹ جائے گی عزّت تیری
اے انساں انسان نہ ہونا

یا وعدے ہی وعدے کرنا
یا کوئی پیمان نہ کرنا!

قطرے کا اعزاز بڑا ہے
اے قطرے طوفان نہ ہونا!

آسانی کا نام اجل ہے
اے مشکل آسان نہ ہونا

جب تک بدنامی کا ڈر ہے
قصے کا عنوان نہ ہونا

زاہد مشکل پڑ جائے گی
جنّت کا دربان نہ ہونا!

جو بھی نظارے پہ بیتے
آج عدم حیران نہ ہونا

○

○

جب بھی کوئی معقول سی تدبیر ہوئی ہے
کس درجہ ہراساں مری تقدیر ہوئی ہے

تخریب کے سَو سال کی بنیاد پہ قائم
اک ساعتِ رخشندہ کی تعمیر ہوئی ہے

دیکھا تو کوئی بستۂ زنجیر نہیں تھا!
کس درجہ خجل ٹوٹ کے زنجیر ہوئی ہے

رہنے دے مرے دل میں ابھی نوکِ مژہ کو،
سیراب کہاں تشنگیٔ تیر ہوئی ہے!

کرتے ہیں سلوک ایسا ہی اخلاص وروں سے
کیا بات ہے صاحب بڑی توقیر ہوئی ہے

یوں رُخ سے اُٹھایا ہے عدمؔ یار نے پردہ
جیسے مرے وجدان کی تفسیر ہوئی ہے

○

جس نطق سے کھلتے ہیں چمن بھول گئے ہو
سرکار وہ اسلوبِ سخن بھول گئے ہو!

اب یاد دلائیں بھی تو کیا فائدہ ہوگا
کیا عرض کریں۔ صاحبِ فن بھول گئے ہو؟

جس شام سے چڑھتا ہوا سورج بھی خجل تھا
وہ شام بھی اے سروِ دمن بھول گئے ہو؟

پہچان بھی سکتے نہیں اب اہلِ وطن کو
ثابت ہوا اربابِ وطن بھول گئے ہو!

بنتے تھے بہت صاحبِ تدبیر عدم تم!
وہ آئے تو سب قلعے رتِ فن بھول گئے ہو!

○

یہ جو تقدیر کی خرابی ہے
یہ بھی اِک حُسنِ باریابی ہے

آئیے کوئی نیک کام کریں!
آج موسم بڑا گلابی ہے

شبنم اب تک ہے اس تذبذب میں
پھول کا رنگ آفتابی ہے

اُن کی آنکھوں نے ابتدا کی تھی
میری دیوانگی جوابی ہے

میگساری اگر نہیں جائز
آپ کی آنکھ کیوں شرابی ہے

اُن کی آنکھوں کو اے عدمؔ دیکھو!
کیسی تفسیرِ نیم خوابی ہے!

○

منزلیں دُور ہوتی جاتی ہیں
ہمتیں چُور ہوتی جاتی ہیں

اُن کی آنکھوں کو دیکھتا ہوں مَیں
کتنی مخمور ہوتی جاتی ہیں

جتنی نوعیتیں ہیں غفلت کی
اُن کا دستور ہوتی جاتی ہیں

کُلفتیں زندگی کی گھبرا کر
آپ ہی دُور ہوتی جاتی ہیں

اے عدمؔ کس نیاز مندی سے
ظلمتیں نُور ہوتی جاتی ہیں

جواب دو گے بھی تم تو جواب کیا دو گے
بروزِ حشر نگارو حساب کیا دو گے

تمہاری عقل کو میں نے کہا ہے مدہوشی
مرے جنوں کو مری جاں خطاب کیا دو گے

ذرا سا زہر بھی دے دو تو خوش نصیبی ہے
ہمیں خدا کے لئے تم شراب کیا دو گے!

حجابِ دیر و حرم میں بھی چھپ نہیں پاتے
تم اپنے رُخ کو مری جاں نقاب کیا دو گے

عذاب جھیل لیا ہے تمہاری فرقت کا
اب اور اس سے زیادہ عذاب کیا دو گے

جنابِ عالی عدم سا فقیر گر آیا!
تو اس فقیر کو عالی جناب کیا دو گے؟

خراب جلوۂ محبوب ہو گئے ہیں ہم
خدا گواہ بہت خوب ہو گئے ہیں ہم

ترا گماں ہے کہ ہم ہو گئے ہیں آسودہ
مرا خیال ہے معتوب ہو گئے ہیں ہم

اسی کا نام محبت نہ ہو کہیں پیارے
ترے جمال سے مرغوب ہو گئے ہیں ہم

ہیں ہم بھی غالبِ آشفتہ جاں کے ہم مسلک
تری نگاہ سے مغلوب ہو گئے ہیں ہم

کچھ اس خلوص سے کی ہے موافقت مَے سے
تری نگاہ سے منسوب ہو گئے ہیں ہم

عجیب بات ہے اوصاف سرمدی ہو کر
عدم شرافتِ معیوب ہو گئے ہیں ہم!

○

خنداں خنداں دیکھ رہے ہیں!
دفترِ عصیاں دیکھ رہے ہیں!

مالی کا طرز اور طریقہ
اہلِ خیاباں دیکھ رہے ہیں

تیری خدائی کا ہر پہلو
یارب انساں دیکھ رہے ہیں

جاؤ جو مرضی ہے کر لو!
ٹھیک ہے۔ ہاں! ہاں دیکھ رہے ہیں

یوں زندہ ہیں جیسے کوئی،
خوابِ پریشاں دیکھ رہے ہیں!

کس محویت سے وہ میرا!
چاکِ گریباں دیکھ رہے ہیں

کون و مکاں سے آگے جاکر
صورتِ جاناں دیکھ رہے ہیں

کب سے عادم لوگوں کی جانب
حیراں حیراں دیکھ رہے ہیں

○

آپ کی باتیں یاد رہیں گی!
چاندنی راتیں یاد رہیں گی!

دِل کا دُکھڑا کیا بھولے گا!
دِل کی گھاتیں یاد رہیں گی!

وہ لمحے سیّال رہیں گے
وہ برساتیں یاد رہیں گی!

ہم انساں دریافت کریں گے
اُن کو ذاتیں یاد رہیں گی!

سب تو عدمؔ کیا ازبر ہوں گی
اک دو باتیں یاد رہیں گی!

○

مرا بھی آسماں ہے کوئی تیرے آسمانوں میں
مرے حِصّے کا بھی ہے پھول کوئی گلستانوں میں

محبّت کو اگر دیوانگی ہی وہ سمجھتے ہیں !!
تو پردہ پوش ہیں کیوں عاشقوں کی داستانوں میں

ستارے، پھول، جھرنے، موج و دریا، ساغر و صہبا
سب اُن کا ذکر کرتے ہیں مگر موزوں زبانوں میں

سُنا ہے وُہ حقائق کے ذرا اُس پار رہتے ہیں
میں کرنا چاہتا ہُوں جُستجو اُن کی فسانوں میں

جو ہر لمحہ ہمارے درپئے آزار رہتے ہیں !
کچھ ایسے مہرباں بھی ہیں ہمارے مہربانوں میں

اُنہیں موقع ملے کیا جوہرِ ذاتی دکھانے کا
جو شامل ہو گئے ہیں احتراماً کاروانوں میں

عدمؔ الفاظ تیروں کی طرح پیوست ہوتے ہیں
کمانوں کی لچک ہے خوش بیانوں کی زبانوں میں

کہیں گل کی، کہیں لبریز پیمانوں کی باتیں ہیں!
جہاں بھی ہیں بڑے شاداب عنوانوں کی باتیں ہیں!

تعارف تو کرا اُس خوبصورت آنکھ سے میرا
مجھے معلوم ہے ناصح یہ مے خانوں کی باتیں ہیں

جہاں انسان بستے ہیں وہاں لغزش بھی ہوتی ہے
فرشتوں کی نہیں صاحب یہ انسانوں کی باتیں ہیں

وفا، اخلاص، رسم و راہ، ہمدردی، رواداری
یہ جتنی بھی ہیں سب اے دوست افسانوں کی باتیں ہیں

ہے فرزانوں کی باتوں میں بھی کچھ کچھ دلکشی لیکن!
جو نادانوں کی باتیں ہیں، وہ نادانوں کی باتیں ہیں

جلا کر آگ ساحل پر عدم بیٹھے ہیں کچھ مانجھی!!
مگر وردِ زباں پُر جوش طوفانوں کی باتیں ہیں!

○

روایت سے انکار کرتے رہو!
بغاوت کا اظہار کرتے رہو!

بہت بوجھ تم پر نہیں ڈالتے
جو توفیق ہو پیار کرتے رہو!

کسی مشغلے میں رہو منہمک!
کوئی زحمتِ کار کرتے رہو!

نگینوں کی صورت ہیں اچھے خیال
زمینوں کو ہموار کرتے رہو!

روایات گر بے حرارت نہ ہوں!
روایات کو پیار کرتے رہو!

مقدر کہیں سو نہ جائے عدم
مقدر کو بیدار کرتے رہو!

○

ابھی غنچہ و گُل ہیں سوئے ہوئے
مسافر ہیں نیندوں میں کھوئے ہوئے

ضروری ہے دو آنسوؤں کی نیاز
بڑی دیر گزری ہے روئے ہوئے

چلا جا رہا ہوں رہِ شوق میں!
نگاہوں میں موتی پروئے ہوئے

ترا جسم عنبر میں ڈوبا ہُوا!
ترے نین کوثر میں دھوئے ہوئے

عدمؔ باغ والوں نے اس مرتبہ
گلستاں میں کانٹے ہیں بوئے ہوئے

○

پہن کر گیروے کپڑے تو جاتا ہے کہاں جوگی
سنا ہم کو بھی اُس بستی کی کوئی داستاں جوگی

ترا سن تو بڑھاپے کا ہے لیکن ماجرا کیا ہے
تری رعنائی احساس ہے اب تک جواں جوگی

اگر یہ زندگی، اک جوگ، اک پیہم سیاحت ہے
پرندے کیوں بناتے ہیں چمن میں آشیاں جوگی

ترا سارا بدن جھلسا ہوا ہے آگ کی گو سے
گری ہیں تجھ پہ بھی شاید کبھی کچھ بجلیاں جوگی

تلاطم روکتا ہے راستہ گو پوری قوت سے
پہنچ جاتی ہیں ساحل تک سبک رو کشتیاں جوگی!

بگولے کا بسیرا کیا، سویرا کیا، اندھیرا کیا!
نہ کوئی گلستاں جوگی۔ نہ کوئی آشیاں جوگی

تجھے تو موسموں کے حال کی پوری خبر ہوگی
چمن میں موسمِ گل ہے کہ ہنگامِ خزاں جوگی

یہ بادل کس لئے اُٹھتے ہیں کیا پیغام ہے اِن کا
ستارے کونسی دُنیا کی جانب ہیں رواں جوگی

یہ سُورج کس حسیں کی جستجو کا گرم نوحہ ہے
سکوتِ ماہ ہے کس لیے کلی کا ترجماں جوگی

عدم کہتے ہیں کس کو۔ نام کس وحشت کا ہستی ہے
ازل سے تا ابد یہ کون ہے عشوہ کناں جوگی

○

○

شکر رنجی کی حد تک بات ہوتی تو مناسب تھا!
شکایت موجبِ عادات ہوتی تو مناسب تھا!

نہیں ایسا تو کوئی ہرج بھی ایسا نہیں لیکن
موافق صورتِ حالات ہوتی تو مناسب تھا

تسلسل ہی نہیں کوئی گھٹاؤں کے برسنے میں
کسی ترتیب سے برسات ہوتی تو مناسب تھا

ہمیں کیا علم موسےٰ سے کہا کیا طور پر تم نے
ہمارے رُوبرُو گر بات ہوتی تو مناسب تھا

نہیں پابندیٔ اوقات تو شکوہ نہیں کوئی
مگر پابندیٔ اوقات ہوتی تو مناسب تھا

جبیں بوسی کی خاطر تو سحر کا وقت بہتر ہے
قدح نوشی کی خاطر رات ہوتی تو مناسب تھا

توجہ کی کمی کا عدم شکوہ نہیں ہم کو
توجہ کی ذرا بہتات ہوتی تو مناسب تھا

○

○

آپ ایسا نہ مہرباں کرتے — کچھ تو پابندیٔ زباں کرتے

آپ آتے تو ہم بھی تفریحاً — زحمتِ سیرِ گلستاں کرتے

زندگی اتنی قیمتی شے تھی! — اس کو رکھتے تو رائگاں کرتے

غنچہ و گل نے خودکشی کر لی! — اور کیا قدر باغباں کرتے!

کیوں نہ تعمیر ایک میخانہ — دیر و کعبہ کے درمیاں کرتے

کس لئے آئینے کو توڑ دیا؟ — وہم کو اور بھی جواں کرتے

میکدہ تھا بہت بسیط عدمؔ
ہم تری جستجو کہاں کرتے؟

○

جو حسینوں کے درمیاں گزرے
وُہ زمانے بہت جواں گزرے

جام اُٹھے تو جمود غائب ہُوا!
فصلِ گُل آئے تو خزاں گزرے

اُف وُہ زخمی مشاہدہ جس کو!
پھُول پر خار کا گماں گزرے

یُوں گزرتے ہیں پیار کے لمحے،
جیسے تاروں کا کارواں گزرے

صحبتِ یار کے بغیر عدمؔ!
ہم پہ کون و مکاں گراں گزرے

○

یار! خدا کا واسطہ۔ کتنے غضب کی بات ہے!
تیری جبیں پہ صبح ہے۔ مِری نظر میں رات ہے

آج یہ التفات کیوں۔ سیلِ تکلّفات کیوں!
کیا کوئی خاص بھید ہے۔ کیا کوئی خاص بات ہے

دل سے نجات کیا ملے۔ زلفِ صنم پہ ہے فدا
آنکھ کا کیا علاج ہو، غرقِ تجلّیات ہے

دیکھ حباب کی طرف۔ عہدِ شباب کی طرف!
ایک گھڑی کی تمکنت۔ فلسفۂ حیات ہے

اُف یہ مسائلِ خرد۔ اُف یہ مراحلِ جنوں!!
میرا سبُو میں ساقیا۔ دفترِ سانحات ہے

صبحِ عدم کا دُور تک ملتا نہیں کوئی نشاں
کتنی دراز زلف ہے، کتنی طویل رات ہے!

○

قلب و نظر کی روشنی۔ بن کے مرے قریب آ!
آ بھی مرے حبیب آ۔ آ بھی مرے طبیب آ!

بیت گئی بہار تو رند بھی بیت جائیں گے!
مطربِ نامراد آ۔ ساقیٔ بدنصیب آ!

اے شہِ حسن و دلبری۔ بات کریں کھری کھری
ہم سے برت نہ خودسری۔ ہم ہیں بہت غریب آ

آ کے تجھے سکھا ہی دوں۔ یار طریقِ گفتگو
آج تو میرے ساتھ ہی تو بھی ذرا خطیب آ

تیرا عدم ہے جانِ من۔ اور حوادثِ زمن
ڈوب گئی اُمید آ۔ چھوٹ گئے نصیب آ

پیمانے میں رنگ نہیں
بربط میں آہنگ نہیں؛

دل پر ناوک مت برسا!
موسم ہے ظالم سنگ نہیں

توبہ کی تھی تفریحاً!
مری مے سے جنگ نہیں

سُن لیجے دو باب اس کے
افسانہ بے رنگ نہیں

اور قلق کتنے ہوں عدمؔ!
فکرِ نام و ننگ نہیں!

○

جو ساتھی اُس پار گئے
ہم کو ناوک پار گئے

یاروں کو خوش کرنا تھا!
جان کے بازی ہار گئے

کیا طاعت سب رسمی تھی؟
کیا سجدے بیکار گئے؟

موسمِ گل اب تنہا ہے
مے پی کر مے خوار گئے

ہم کو اور نہ دو ساغر!
ہم تو اب سرکار گئے

وہ ہم عدمؔ جو پالے تھے
اُف کتنے دشوار گئے!

سنگدل ہو کے بھی عزیز ہیں آپ
بندہ پرور عجیب چیز ہیں آپ

اور کیا چاہیے تمنّا کو!
موسمِ گل ہے اور نیز ہیں آپ

باطناً کتنے خوبصورت ہیں!
ظاہراً کس قدر دبیز ہیں آپ!

دُشمن و دوست سب برابر ہیں
واقعی کِتنے خوش تمیز ہیں آپ!

زیست لونڈی ہے اک غلام صاحب
باخدا صاحبِ کنیز ہیں آپ!